# قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے جشنِ میلاد کیوں نہیں منایا؟

محبوبِ ربّ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ ولادت باسعادت پر اِظہارِ مسرت کرنا، محافلِ میلاد منعقد کرنا اور جشنِ عید منانا ایک مومن کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے، مگر شومیء قسمت کہ بعض لوگ اس عظیم سعادت کو خلافِ شریعت عمل قرار دیتے ہیں۔ وہ لوگ اس کے عدمِ جواز پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جشنِ میلاد قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کے عمل سے ثابت نہیں، اس کا آغاز بعد کے اَدوار میں ہوا ہے۔ نیز یہ کہ حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وِصال مبارک کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جشنِ میلاد کیوں نہ منایا؟ زیرِ نظر باب میں ہم اُس دور کے معروضی حالات کی روشنی میں اِس کے اَسباب کی توضیح بیان کریں گے۔

1۔ صحابہ رضی اللہ عنھم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سانحۂ اِرتحال اِنتہائی غم اَنگیز تھا

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت مسلمانانِ عالم کے لیے دنیا کی تمام خوشیوں اور مسرتوں سے بڑھ کر ہے۔ قرنِ اَوّل کے مسلمانوں کے لیے بالعموم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے لیے بالخصوص اِس دنیائے آب و گل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے بڑی اہم خبر اور کیا ہوسکتی تھی! صحابہ کرام رضی اللہ عنھم جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق اور جاں نثار تھے ان سے بڑھ کر اس

نعمتِ عظمیٰ کا قدر داں اور کون ہو سکتا تھا! اس پر اِظہارِ فرحت و مسرت جس طرح وہ کر سکتے تھے آج کے دور کے مسلمان اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ ولادت تزک و اِحتشام سے نہیں منایا تو اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ ولادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا دن بھی تھا، سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پر غم وآلام کا ایک کوہِ گراں ٹوٹ گیا، اس لیے جب ان کی زندگی میں بارہ ربیع الاول کا دن آتا تو وصال کے صدمے تلے ولادت کی خوشی دب جاتی اور جدائی کا غم اَز سرِ نو تازہ ہو جاتا۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی یادوں کے جَلَو میں بارہ ربیع الاول کا دن آتا تو خوشی و غم کی کیفیتیں مل جاتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم وصالِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کرکے صدمہ زدہ دلوں کے ساتھ خوشی کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ سو وہ ولادت کی خوشی میں جشن مناتے نہ وصال کے غم میں اَفسردہ ہوتے۔

اِنسانی فطرت لمحاتِ غم میں خوشی کا کھلا اِظہار نہیں کرنے دیتی

روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ جب کسی گھر میں کسی عزیز کی وفات ہو جائے جب کہ چند دنوں کے بعد اسی گھر میں شادی کی تقریب بھی منعقد ہونے والی ہو تو عام دستور یہی ہے

کہ اُس غم کے باعث شادی ملتوی کردی جاتی ہے۔ اگر شادی کی تقریب ملتوی نہ بھی کی جائے تو نہایت سوگوار ماحول میں سادگی کے ساتھ منعقد ہوتی ہے۔ لیکن اسی گھر میں اگر اس سوگوار واقعہ کے پانچ، دس سال بعد شادی ہو تو بالعموم یہی دیکھا گیا ہے کہ شادی کا اہتمام رسم و رواج کے مطابق دھوم دھام سے کیا جاتا ہے اور اس موقع پر کوئی یہ نہیں کہتا کہ چند سال پہلے ان کا والد فوت ہوا تھا اب وہ دھوم دھام سے شادی کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق ایک عرصہ تک غم و اندوہ کا پہلو صبر و ضبط پر غالب رہتا ہے اور جوں جوں زمانہ بیت جاتا ہے صدمے کا اثر زائل ہو جاتا ہے جس کے باعث حالات معمول پر آتے ہی زندگی پرانی ڈگر پر رواں دواں ہو جاتی ہے۔

2۔ کیفیاتِ غم کی شدت قرونِ اُولیٰ میں جشن منانے میں مانع تھی

بشری تقاضوں کے مطابق قرنِ اَوّل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے غم کا پہلو زیادہ اثر آفریں تھا۔ ولادت اور وفات کا دن ایک ہونے کے باعث جب یومِ میلاد آتا تو ان پر غم کی کیفیات خوشی کی نسبت بڑھ جاتی تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ایثار و قربانی کی ایک زندہ و تابندہ مثال تھے۔ وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنبشِ اَبرو پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ معیارِ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے غایت درجہ محبت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ وصال ان کے لیے سب سے عظیم سانحہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی اَلم ناک خبر کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پر قیامت بن کر ٹوٹی ہوگی، لمحاتِ غم کی شدت میں غلاموں نے کس طرح اپنے آپ کو سنبھالا ہوگا۔ اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ وہ تو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے آقا کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کے جذباتی اور عشقی تعلق کی کیفیت یہ تھی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہری حیاتِ مبارکہ سے پردہ فرما گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور قوی دل صحابی یہ صدمہ برداشت نہ کر سکنے کے باعث خود پر قابو نہ رکھ سکے۔

صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ اَطہار رضی اللہ عنھم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کی خبر اندوہ ناک اور ہوش رُبا تھی کیوں کہ ان کا محبوب ان سے جدا ہو گیا تھا۔ اپنی محبوب ترین ہستی کے بچھڑ جانے پر جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا یہ ردِعمل ایک فطری اَمر تھا، اس لیے کہ انہوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنا وطن، عزیز و اَقارب، مال و دولت، بیوی بچے، الغرض سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ جب وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے درمیان ظاہری طور پر نہ دیکھتے تھے تو ان

کی کیفیت دگرگوں ہو جاتی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسا کاری زخم بھی لگ سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جن جذبات اور احساسات کا اظہار کیا ان کی ایک جھلک ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے:

(1) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب فراقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد اِمامِ عشاقانِ مصطفیٰ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت اپنے محبوب کے ہجر میں تڑپتے تھے، اور آپ کی وفات کا سبب بھی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا غم تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما روایت کرتے ہیں:

**كان سبب موت أبي بكر موت رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم ما زال جسمه يجري حتي مات.**

”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال (کا غم) تھا، یہی وجہ ہے کہ فراق میں آپ کا جسم نہایت ہی کمزور ہو گیا تھا حتی کہ آپ کا اِنتقال ہو گیا۔“

1. حاكم، المستدرك علي الصحيحين، 3:63، 64، رقم:4410

2. ابن جوزي، صفوة الصفوة، 1:263

3.سيوطي، مسندأبي بكر الصديق: 198، رقم: 631

حضرت زیاد بن حنظلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كان سبب موت أبي بكر الكمد علي رسول الله صلي الله عليه و آله وسلم.

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال پر ہونے والا حزن واَلم تھا۔“

سیوطی، مسندِابی بکر الصدیق: 198، رقم: 632

(2) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کی خبر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی مضبوط قوتِ اِرادی کی حامل جری و بہادر شخصیت کے خرمنِ ہوش پر بجلی کی طرح گری۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور شدتِ غم سے کہنے لگے: ”اگر کسی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرما گئے ہیں تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔“ (1) اِس موقع پر اُنہوں نے جن جذبات کا اِظہار کیا کتبِ سیر و تاریخ میں اس کے اَلفاظ یوں وارِد ہوتے ہیں:

طبری، تاریخ الأمم والملوک، 2 : 233

إن رجالًا من المنافقین یزعمون: إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد توفی، وإن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما مات، ولکنہ ذھب إلی ربہ کما ذھب موسی بن عمران، فقد غاب عن قومہ إربعین لیلۃ، ثم رجع إلیھم بعد إن قیل: مات، ووا للہ! لیرجعَنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کما رجع موسی، فلیقطعن إیدی رجال وإر جلھم زعموا: إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مات.

’’منافق گمان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پاگئے ہیں، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات نہیں پائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسی طرح اپنے رب کی طرف چلے گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گئے تھے۔ وہ اپنی قوم سے چالیس راتیں غائب رہے، پھر وہ ان کی طرف اس حال میں لوٹے کہ ان کے وصال کی خبر پھیلا دی گئی تھی۔ خدا کی قسم! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح لوٹ آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ آئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جنہوں نے یہ گمان کیا ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت واقع ہو گئی ہے۔‘‘

.1ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ: 713

.2احمد بن حنبل، المسند، 3 : 196، رقم: 13051

.3ابن حبان، الصحیح، 14 : 588، رقم: 6620

.4ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: 1134

.5ابن سعد، الطبقات الکبری، 2 : 270

.6ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، 2 : 187

.7 سہیلی، الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، 4 : 443

.8سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 2 : 377


حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ردِعمل اگرچہ جذباتی تھا لیکن اسے ہر گز غیر فطری نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ اپنی جان سے زیادہ محبوب ہستی کی جدائی کے صدمہ میں وقتی طور پر کسی انسان کا جذبات سے مغلوب ہو جانا ایک فطری اَمر ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں رعایا کی خبر گیری کے لئے راتوں کو گشت کیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ آخرت میں جواب دہی کا احساس اپنے اندر ہر وقت زندہ رکھتے تھے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک رات آپ عوام کی خدمت کے لیے رات کو نکلے تو آپ نے دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اُون کاتتے ہوئے ہجر و فراق میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہی ہے :

علی محمد صلاۃُ الأبرار

صلی علیک المصطفون الأخیار

قد کنتَ قَواماً بکی الأسحار

یا لیتَ شِعری والمنایا أطوار

ھل تَجمَعنی وحَبیبِی الدّار

.1 ابن مبارک، الزہد: 362، 363، رقم: 1024

.2 قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 569

.3 ملا علی قاری، شرح الشفا، 2 : 42، 43

) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صالحین کا درود ہو۔ منتخب اور بہترین لوگوں نے اُن پر درود بھیجا (اور بھیج رہے ہیں )۔آپ راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام کرنے والے اور آخرِ شب ( یادِ اِلٰہی میں) آنسو بہانے والے تھے۔ہائے افسوس! اَسباب موت متعدد ہیں، کاش! مجھے یقین ہو جائے کہ روزِ قیامت مجھے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب نصیب ہو سکے گا۔ (

یہ اَشعار سن کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بہادر انسان کی آنکھیں بھی اَشک بار ہو گئیں۔ یادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تڑپانے لگی۔اِمامِ اَعظم ابو حنیفہ (80۔150ھ) کے شاگرد، اِمام بخاری (194۔256ھ) کے اُستاد اور امیر المؤمنین فی الحدیث ’’اِمام عبد اللہ بن مبارک (118۔181ھ)‘‘ لکھتے ہیں:

فجلس عمر یبکی فما زال یبکی حتی قرع الباب علیہا، فقالت: من ہذا؟ قال: عمر بن الخطاب. فقالت: مالی ولعمر؟ وما یأتی بعمر ہذہ الساعۃ؟ فقال: افتحی، رحمكِ اللہ، ولا بأس علیک، ففتحت لہ، فدخل. و قال: ردّی علی الکلمات التی قلتّ آنفا، فردّتہ علیہ، فلما بلغت آخرہ، قال: إسألک إن تدخلنی معکما. قالت: و عمر، فاغفر لہ یا غفار. فرضی عمر و رجع.

”پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ کر رونے لگے، اور روتے رہے یہاں تک کہ اُنہوں نے دروازہ پر دستک دی۔ خاتون نے پوچھا: کون ہے؟ آپ نے کہا: عمر بن خطاب۔ خاتون نے کہا: میرا عمر کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ رات کے اِن اَوقات میں عمر کو یہاں کیا کام؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، تو دروازہ کھول، تجھے کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ تو اس نے آپ کے لیے دروازہ کھولا، آپ اندر داخل ہوگئے اور کہا: جو اَشعار تو ابھی پڑھ رہی تھی انہیں دوبارہ پڑھ۔ پس اس نے دوبارہ وہ اَشعار پڑھے اور جب آخر پر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ان دونوں کے ساتھ مجھے بھی شامل کرلے۔ اُس نے کہا: اے غفار! تو عمر کی بھی مغفرت فرما۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس پر راضی ہوگئے اور واپس لوٹ آئے۔“

1. ابن مبارک، الزہد: 362، 363، رقم: 1024.

2. خفاجی، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، 4: 428، 429.

بقول قاضی سلیمان منصور پوری سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے بعد چند دن تک صاحبِ فراش رہے (1) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم آپ کی عیادت کے لئے آتے رہے۔

منصور پوری، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 343

(3) سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا کا اِظہارِ غم

خاتونِ جنت، سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیھا کو یہ لازوال اعزاز حاصل ہے کہ وہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر تھیں۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انہیں اپنی جان کا حصہ قرار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر سیدہ کائنات سلام اللہ علیھا کی بے قراری و سوگواری کے واقعات تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں :

(1) حضرت مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

فاطمۃ بضعۃ منّی.

''فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔''

1. بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ، 3 : 1361، رقم : 3510

2. بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب فاطمۃ، 3 : 1347، رقم : 3556

3. مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فاطمۃ بنت النبی، 4 : 1903، رقم : 2449

1۔ سیدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا وِصال حضور نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے ہوا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اِس بارے میں مختلف روایات ہیں : سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کا وِصال حضور نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال مبارک کے چھ (6) ماہ بعد ہوا۔ بعضوں نے آٹھ (8) ماہ کہا ہے، بعضوں نے سو (100) دن اور بعضوں نے (70) دن کہا ہے، جب کہ صحیح قول چھ (6) ماہ کا ہی ہے۔ وِصال کے وقت سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی عمر مبارک اُنتیس (29) سال تھی۔ آپ نے منگل کی رات 3 رمضان المبارک 11ھ کو وفات پائی۔ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی اِتنی کم عمری میں وفات کا سبب یہ ہے کہ آپ اپنے ابا جان تاجدارِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا غم برداشت نہ کر سکیں، آپ اکثر غمگیں رہتیں اور حضور نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال کے بعد کبھی آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور حق بھی یہی تھا۔

.1حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 3 : 176، رقم : 4761

.2محب طبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی : 101

.3ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، 2 : 8، 9

.4ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ث، 7 : 221

.1 (2) دولابی، الذریۃ الطاہرۃ : 111، رقم : 212

.2محب طبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ : 103

.3ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ث، 7 : 221

.4ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف : 214

2۔اِمام بخاری (194۔256ھ) کی الصحیح میں بیان کی گئی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدہ کائنات سلام اللہ علیھا کو اپنے والد گرامی کی جدائی اتنی شاق گزری کہ بے ساختہ پکار اٹھیں :

یا اِبتاہ ! اِجاب ربأً دعاہ

یا اِبتاہ ! مَن جنۃُ الفردوس مأواہ

یا اِبتاہ ! إلی جبریل ننعاہ

’’اے ابا جان ! آپ نے (اپنے) رب کا بلاوا قبول فرمایا۔ اے ابا جان ! آپ جنت الفردوس میں قیام پذیر ہیں۔ اے ابا جان ! میں اس غم کی خبر جبرئیل علیہ السلام کو سناتی ہوں۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاتہ، 4 : 1619، رقم: 4193

2. احمد بن حنبل، 3 : 197، رقم: 13054

3. دارمی، السنن، 1 : 41، رقم: 88

4. طبرانی، المعجم الکبیر، 22 : 416، رقم: 1029

5. ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، 4 : 254

3۔ابن ماجہ (209۔273ھ) کی السنن میں بیان کی گئی روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر درج ذیل اَشعار کہے:

وااِبتاہ ! إلی جبرائیل إنعاہ

وااِبتاہ ! مِن ربہ مااِدناہ

وااِبتاہ ! جنۃالفردوس مأواہ

وااِبتاہ ! اِجاب رباً دعاہ

”ہائے ابا جان ! میں اس غم کی خبر جبرئیل علیہ السلام کو سناتی ہوں۔ ہائے ابا جان ! آپ اپنے رب کے کتنے نزدیک ہوگئے۔ ہائے ابا جان ! آپ جنت الفردوس میں قیام پذیر ہیں۔ ہائے ابا جان ! آپ نے (اپنے) رب کا بلاوا قبول فرمالیا۔“

.1ابن ماجہ، السنن، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 103، رقم:1630

.2نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب فی البکاء علی المیت، 4 : 12، رقم:1844

.3ابن حبان، الصحیح، 14 : 591، 592، رقم: 6622

.4حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 1 : 537، رقم: 1408

.5حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 3 : 61، رقم: 4396

.6ابن سعد، الطبقات الکبری، 2 : 311

.7ذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام (السیرۃالنبویۃ)، 1 : 562

4۔اِمام بخاری (194۔256ھ) الصحیح میں روایت کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوگئے تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا فرطِ رنج واَلم سے بے ساختہ اُن سے کہنے لگیں :

یا انس ! اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم التراب.

”اے انس ! کیا تمہارے دلوں نے اِس بات کو گوارا کرلیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی ڈالو؟“

1. بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاتہ، 4 : 1619، رقم: 4193

2. ابو یعلی، المسند، 6 : 110، رقم: 3379

3. عبد بن حمید، المسند، 1 : 402، رقم: 1364

4. حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 1 : 537، رقم: 1408

5. طبرانی، المعجم الکبیر، 22 : 416، رقم: 1029

6. بیہقی، السنن الکبری، 3 : 409، رقم: 6519

5۔ امام احمد بن حنبل (164۔241ھ) المسند میں روایت کرتے ہیں کہ سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیھا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ کہا:

یا انس! اطابت انفسکم ان دفنتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی التراب ورجعتم.

”اے انس! کیا تمہارے دلوں نے اس بات کو گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مٹی میں دفن کرکے واپس چلے آؤ۔“

.1إحمد بن حنبل، المسند، 3 : 204، رقم: 13139

.2ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، 4 : 254

.3 حلبی، إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المامون، 3 : 493

حضرت حماد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور مشہور تابعی حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کرتے تو:

بکی حتی تختلف إضلاعہ.

''وہ اتنا روتے کہ ان کی پسلیاں اپنی جگہ سے ہل جایا کرتی تھیں۔''

ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: 803

6۔إمام طبرانی (260۔360ھ) المعجم الکبیر میں روایت کرتے ہیں:

فلما انصرف الناس قالت فاطمة لعلیّ رضی اللہ عنہ : یاإبا الحسن ! دفنتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟ قال : نعم. قالت فاطمۃ رضی اللہ عنہا : کیف طابت إنفسکم إن تحثوا التراب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟ إماکان فی صدورکم لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الرحمۃ؟ إماکان معلم الخیر؟ قال : بلی، یا فاطمۃ! ولکن إمر اللہ الذی لا مرد لہ فجعلت تبکی وتندب، وہی تقول : یاإبتاہ ! الآن انقطع جبریل علیہ السلام، وکان جبریل یأتینا بالوحی من السماء.

”جب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے بعد) واپس آئے تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا : تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کرلیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی ڈالو؟ کیا تمہارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے رحمت نہیں تھی؟ کیا وہ بھلائی کی تعلیم دینے والے نہیں تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اے فاطمہ ! کیوں نہیں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام خوبیوں کا جامع تھے)، لیکن خدا کا حکم کوئی نہیں ٹال سکتا۔ پس سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا نے رونا شروع کردیا، آپ کی ہچکی بندھ گئی، اور یہ کہتے جاتی تھیں : اے ابا جان ! اب جبریل علیہ السلام کی آمد کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا ہے جو آسمان سے وحی لے کر اترتے تھے۔“

.1 طبرانی، المعجم الکبیر، 3 : 64، رقم : 2676

.2 ابو نعیم، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، 4 : 79

7۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بالعموم مغموم رہتے، حتی کہ بعض نے مسکرانا ہی ترک کر دیا۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سیدہ عالم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنھا کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

ما رایت فاطمۃ رضی اللہ عنہا ضاحکۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

’’میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال مبارک کے بعد کبھی بھی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنھا کو مسکراتے نہیں دیکھا۔‘‘

ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : 803

8۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیھا آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ اَقدس پر حاضر ہوتیں تو آپ کی کیفیت اس طرح ہوتی کہ

اِخذت قبضۃ من تراب القبر، فوضعتہ علی عینیہا، فبکت وانشأت تقول:

ماذا ممن شم تربۃ اِحمد

اِن لا یشم مدی الزمان خوالیا

صبت علیّ مصائب لو اِنہا

صبت علی الأیام صرن لیالیا

’’قبرِ اَنور کی مٹی مبارک اُٹھا کر آنکھوں پر لگا لیتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں رو رو کر یہ اَشعار پڑھتیں:

(جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ اَقدس کی خاک کو سونگھ لیا ہے اسے زندگی میں کسی دوسری خوشبو کی ضرورت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال کی وجہ سے مجھ پر جتنے عظیم مصائب آئے ہیں اگر وہ دنوں پر اُترتے تو وہ راتوں میں بدل جاتے۔)

1. ذہبی، سیر إعلام النبلاء، 2 : 134

2. ابن قدامۃ، المغنی، 2 : 213

اِس غم ناک صورت حال میں جب سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے موت کو خوش دلی سے قبول کیا کیونکہ موت انہیں ربِ ذُوالجلال اور اپنے ابا جان سے ملانے والی تھی۔ اس کیفیت کا ذکر ائمہ و محدثین نے یوں کیا ہے :

عن اِم سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت : اشتکت فاطمۃ سلام اللہ علیہا شکواہا التی قبضت فیہ، فکنت اِمرضہا فاصبحت یوما کأمثل مارایتہا فی شکواہا تلک، قالت : وخرج علیّ لبعض حاجتہ، فقالت : یا اِمہ، اسکبی لی غسلاً، فسکبت لہا غسلاً فاغتسلت کأحسن مارایتہا تغتسل، ثم قالت : یا اِمہ، اِعطینی ثیابی الجدد، فأعطیتہا فلبستہا، ثم قالت : یا اِمہ، قدمی لی فراشی وسط البیت،

ففعلت واضطجعت واستقبلت القبلة وجعلت يدها تحت خدها، ثم قالت : يا اِمه، إني مقبوضة الآن وقد تطهرت، فلا يكشفني اِحد فقبضت مكانها، قالت : فجاء عليّ فأخبرته.

”حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدۂ فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنی مرضِ موت میں مبتلا ہوئیں تو میں ان کی تیمارداری کرتی تھی۔ مرض کے اس پورے عرصہ کے دوران میں جہاں تک میں نے دیکھا ایک صبح ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے۔ سیدہ نے کہا : امی جان! میرے غسل کرنے کے لیے پانی لائیں۔ میں پانی لائی، آپ نے اچھی طرح غسل کیا۔ پھر فرمایا : امی جان! مجھے نیا لباس دیں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اسے آپ نے زیبِ تن فرمایا اور قبلہ رُخ ہو کر لیٹ گئیں، ہاتھ مبارک رُخسار مبارک کے نیچے کر لیا، پھر فرمایا : امی جان! اب میری وفات ہوگی، میں پاک ہو چکی ہوں، لہٰذا کوئی مجھے (غسل دینے کے لیے) بے پردہ نہ کرے۔ پس اسی جگہ آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت اُم سلمیٰ کہتی ہیں : بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور میں نے انہیں سیدہ کے وِصال کی اطلاع دی۔“

.1 اِحمد بن حنبل، المسند، 6 : 461، 462، رقم: 27656

.2 اِحمد بن حنبل، فضائل الصحابة، 2 : 629، 725، رقم: 1074، 1243

.3دولابی، الذریۃ الطاہرۃ: 113

.4ہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، 9 : 211

.5زیلعی، نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ، 2 : 250

.6محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: 103

.7ابن اِثیر، اِسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ث، 7 : 221

اَصحابِ سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی وفات مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں ہوئی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور سیدنا علی، سیدنا عباس اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنھم نے آپ کو لحد میں اتارا۔ یوں آپ اپنے ابا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملیں۔

.1حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 3 : 177، 178، رقم: 4763 - 4765

.2ابن اِبی شیبۃ، المصنف، 3 : 31، رقم: 11826

.3ابن اِبی شیبۃ، المصنف، 7 : 25، رقم: 33938

.4بیہقی، السنن الکبریٰ، 4 : 31

.5محب طبری، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، 1 : 175، 176

.6محب طبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ : 104

.7 شیبانی، الآحاد والمثانی، 5 : 355، رقم : 2937

.8ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 8 : 29

.9ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، 2 : 8

.10ابن اِثیر، اِسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ث، 7 : 221

جب محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی پر غم واندوہ اور اِضطرابِ دل کی یہ کیفیت ہو اور یہی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا بھی ہو تو کس کے اندر اتنی تاب ہو سکتی تھی کہ وہ جشن ولادت منانے کا سوچے ؟

(4) حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کے اِحساساتِ غم

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پر مامور رہے، پیغمبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہر وقت عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضائے کیف و سرور میں گم رہتے۔ جب

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ پر بھی قیامت ٹوٹ پڑی۔ جس شفیق ہستی کا ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل ہونا دل پر شاق گزرتا تھا، اس عظیم ہستی کی یاد میں آنکھیں اَشک بار رہتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات کی زیارت کرتے تو دل کو اطمینان ہوتا۔ ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل سجاتے، خود بھی تڑپتے اور دوسروں کو بھی تڑپاتے۔

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تاجدارِ کائنات حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرما رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانے لگے:

ولا مَسِستُ خزّۃ ولا حریرَۃ اِلین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ولا شَمِمتُ مسکۃ ولا عبیرۃ اِطیب رائحۃ من رائحۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

”اور میں نے آج تک کسی دیباج اور ریشم کو مَس نہیں کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ کہیں ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اَطہر کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب ما یذکر من صوم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وإفطارہ، 2 : 696، رقم: 1872

2. مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب طیب رائحۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولین مسہ والتبرک بمسحہ، 4 : 1814، رقم: 2330

3. دارمی، السنن، المقدمۃ، باب فی حسن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 1 : 45، رقم: 61

4. ابن حبان، الصحیح، 14 : 211، رقم: 6303

5. أحمد بن حنبل، المسند، 3 : 107

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اکثر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی۔ مثنی بن سعید روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا:

ما من لیلۃ إلّا وإنا أری فیھا حبیبی، ثم یبکی.

(''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال کے بعد) کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جس میں میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے۔''

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 7 : 20

2. ذہبی، سیر اعلام النبلاء، 3 : 403

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ میں آمد اور وصال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لما کان الیوم الذی دخل فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المدینۃ اضاء منہا کل شیء، فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منہا کل شیء.

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر اُس کی ہر شے روشن ہو گئی، لیکن جس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو مدینہ کی ہر شے (میرے لیے) تاریک ہو گئی۔''

1. ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 6 : 13، رقم: 3618

2. ابن ماجہ، السنن، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 1 : 522، رقم: 1631

3. احمد بن حنبل، المسند، 3 : 268، رقم: 13857

4. ابن حبان، الصحیح، 14 : 601، رقم: 6634

5. ابو یعلی، المسند، 6 : 51، 110، رقم: 3296، 3378

6. مقدسی، الأحادیث المختارۃ، 4 : 418، 419، رقم: 1592، 1593

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یوں محسوس کیا کہ وہ شہر جس میں ہم صبح وشام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ ہونے کے باعث تاریک نظر آنے لگا۔

شیخ اِبراہیم بیجوری حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اِس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

استنار من المدینۃ الشریفۃ کل شیء نوراً حسیاً و معنویاً، لأنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور الأنوار والسراج الوہاج ونور الہدایۃ العامۃ ورفع الظلمۃ التامۃ، وقولہ : إظلم منہا کل شیء، إی لفقد النور والسراج منہا فذہب ذالک النور بموتہ.

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے مدینہ کی ہر شے نورِ ظاہری اور نورِ باطنی سے روشن ہوگئی، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس تمام انوار کا سرچشمہ، روشن چراغ، تمام عالم کے لیے نورِ ہدایت اور تمام ظلمات کے رفع کرنے کا مرکز ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی وجہ سے (کائنات کا) نور اور چراغ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا لہٰذا تمام روشنی تاریکی میں بدل گئی۔“

بیجوری، المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیۃ : 287

(5) فراقِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ غم

مؤذنِ رسول و عاشق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی فراقِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برداشت نہ کرسکے اور مدینہ منورہ سے ہجرت کرکے شام کے شہر حلب کی طرف چلے گئے، کہ شہر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رہتے ہوئے انہیں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں گزرے ہوئے شب و روز یاد آجاتے اور گلی کوچوں میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خرام ناز کے مناظر بے اختیار آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے، جس کی وہ تاب نہ لا سکتے تھے۔

شارح صحیح البخاری اِمام کرمانی (717۔786ھ) نقل کرتے ہیں کہ جب آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے قلبِ مضطر کی وجہ سے شہر مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کرلیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس ارادے کا علم ہوا تو آپ نے اُنہیں روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ پہلے کی طرح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اذان دیتے رہیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا:

إنی لاإرید المدینة بدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولاإتحمل مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خالیاً عنہ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر اب مدینہ میں جی نہیں لگتا اور نہ ہی مجھ میں ان خالی و افسردہ مقامات کو دیکھنے کی قوت ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔“

کرمانی، الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری، 15 : 24

صحیح البخاری میں آپ رضی اللہ عنہ کا جواب ان الفاظ میں منقول ہے:

یا أبا بکر! إن کنت إنما اشتریتنی لنفسک فأمسکنی، وإن کنت إنما اشتریتنی ﷲ فدعنی.

”اے ابو بکر! اگر آپ نے مجھے اپنے لیے خریدا تھا تو مجھے روک لیں، اور اگر اللہ کی رضا کی خاطر خریدا تھا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔“

1. بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب مناقب بلال بن رباح ص، 3 : 1371، رقم: 3545

.2ابن إبی شیبة، المصنف، 6 : 396، رقم: 32336

.3طبرانی، المعجم الکبیر، 1 : 337، رقم: 1010

.4ابن سعد، الطبقات الکبری، 3 : 238

.5مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، 10 : 132، 133

.6محب طبری، الریاض النضرة فی مناقب العشرة، 2 : 24

.7حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المامون، 1 : 481

موسٰی بن محمد بن حارث تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

لمّا توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذن بلال ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یقبر، فکان إذا قال: إشهد إن محمداً رسول اللہ انتحب الناس فی المسجد. قال: لما دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لہ إبوبکر: إذن، فقال: إن کنت إنما إعتقتنی لأن إکون معک فسبیل ذلک، وإن کنت اعتقتنی للہ فخلنی ومن إعتقتنی لہ، فقال: ما إعتقتک إلا للہ. قال فإنی لا إؤذن لأحد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

''جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُس وقت اذان کہی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن بھی نہ ہوئے تھے۔ جب انہوں نے اشھدان محمدا رسول اللہ کہا تو لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن کر دیے گئے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: اذان کہیں۔ اُنہوں نے کہا: اگر آپ نے مجھے اس لئے آزاد کیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں تو اس کا راستہ یہی ہے، اور اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے اور اُسے چھوڑ دیجیے جس کے لئے آپ نے مجھے آزاد کیا ہے۔ تو اُنہوں نے کہا: میں نے تمہیں محض اللہ کے لئے آزاد کیا ہے۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ کہوں گا۔''

1. بیہقی، السنن الکبری، 1 : 419، رقم: 1828

2. ابن سعد، الطبقات الکبری، 3 : 236، 237

3. ازدی، الجامع، 11 : 234

4. ابو نعیم، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، 1 : 150، 151

5. ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، 1 : 439

.6ابنِ عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 10 : 361

اِس رِوایت کو عربی زبان کی معروف لغت ’’القاموس المحیط‘‘ کے مؤلف یعقوب فیروز آبادی (729۔817ھ) کامل سند کے ساتھ ذِکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

کذا ذکرہ ابن عساکر فی ترجمۃ بلال رضی اللہ عنہ، وذکرہ إیضاً فی ترجمۃ إبراھیم بن محمد بن سلیمان بسند آخر إلی محمد بن الفیض، فذکرہ سواء، وابن الفیض روی عن خلائق، وروی عنہ جماعۃ، منہم : إبو إحمد بن عدی و إبو إحمد الحاکم، و إبو بکر ابن المقری فی معجمہ وآخرون.

’’جیسا کہ یہ روایت ابن عساکر نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں ذکر کی ہے اور اسے ابراہیم بن محمد بن سلیمان کے حالات میں ایک اور سند کے ساتھ بیان کیا اور وہ سند مشہور محدث محمد بن فیض تک جا پہنچتی ہے۔ ابن فیض نے یہ روایت کثیر محدثین سے نقل کی اور آگے ابن الفیض سے روایت کرنے والے بھی کثیر محدثین ہیں، جیسے : ابو احمد بن عدی، ابو احمد الحاکم، ابو بکر بن المقری اور دیگر محدثین۔‘‘

فیروز آبادی، الصلات والبشر فی الصلاۃ علی خیر البشر : 187، 188

چنانچہ یہ کہہ کر کہ اب مدینے میں میرا رہنا دشوار ہے، آپ شام کے شہر حلب میں چلے گئے۔ تقریباً چھ ماہ بعد خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زِیارت نصیب ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے:

ماہٰذہ الجفوۃ، یا بلال! اِما آن لک اِن تزورنی؟

”اے بلال! یہ کیا بے وفائی ہے؟ (تو نے ہمیں ملنا کیوں چھوڑ دیا)، کیا ہماری ملاقات کا وقت نہیں آیا؟“

خواب سے بیدار ہوتے ہی اونٹنی پر سوار ہو کر ”لبیک یا سیدی یا رسول اللہ“ کہتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نگاہوں نے عالمِ وارفتگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ کبھی مسجد میں تلاش کرتے اور کبھی حجروں میں، جب کہیں نہ پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ آ کر مل جاؤ، غلام حلب سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہے۔ یہ کہا اور بے

ہوش ہو کر مزارِ پُر انوار کے پاس گر پڑے، کافی دیر بعد ہوش آیا۔ اتنے میں سارے مدینے میں یہ خبر پھیل گئی کہ مؤذنِ رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ آ گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور بچے اکٹھے ہو کر عرض کرنے لگے :
بلال ! ایک دفعہ وہ اذان سنا دو جو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سناتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں معذرت خواہ ہوں کیوں کہ میں جب اذان پڑھتا تھا تو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ اب یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے کسے دیکھوں گا؟ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے مشورہ کیا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنھما سے سفارش کروائی جائے، جب وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے کہیں گے تو وہ انکار نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا :

یا بلال ! نشتھی نسمع إذانک الذی کنت تؤذن بہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المسجد.

”اے بلال ! آج ہم آپ سے وُہی اذان سننا چاہتے ہیں جو آپ ( ہمارے نانا جان ) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس مسجد میں سناتے تھے۔“

اب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو انکار کا یارانہ تھا، لہٰذا اُسی مقام پر کھڑے ہو کر اذان دی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں دیا کرتے تھے۔ بعد کی کیفیات کا حال کتبِ سیر میں یوں بیان ہوا ہے:

فلماإن قال: اللہ اکبر، اللہ اکبر، ارتجّت المدینۃ، فلماإن قال: اشھد ان لاإلٰہ إلا اللہ، ازداد رجّتھا، فلما قال: اشھد ان محمداً رسول اللہ، خرجت العواتق من خدورھن، و قالوا: بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فمارُئی یوم اکثر باکیاً ولا باکیۃ بالمدینۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ذالک الیوم.

”جب آپ رضی اللہ عنہ نے (بہ آوازِ بلند) اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ کہا، مدینہ منورہ گونج اٹھا (آپ جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے جذبات میں اِضافہ ہوتا چلا گیا)، جب اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کلمات ادا کئے تو گونج میں مزید اضافہ ہو گیا، جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے کلمات پر پہنچے تو تمام لوگ حتی کہ پردہ نشین خواتین بھی گھروں سے باہر نکل آئیں (رِقت و گریہ زاری کا عجیب منظر تھا)۔ لوگوں نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ منورہ میں اس دن سے زیادہ رونے والے مرد و زن نہیں دیکھے گئے۔“

1. سبکی، شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: 39، 40

2. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 7 : 97

3. ذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام، 3 : 204، 205

4. ذہبی، سیر إعلام النبلاء، 1 : 358

5. فیروز آبادی، الصلات والبشر فی الصلاۃ علی خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: 187

6۔ ھیتمی نے ''الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم المعظم (ص: 27)'' میں کہا ہے کہ یہ واقعہ جید سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

7. سخاوی، التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ: 221

8۔ شامی نے ''سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (12 : 359)'' میں کہا ہے کہ یہ واقعہ ابن عساکر نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

9. حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، 2 : 308، 309

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اَذانِ بلال کو ترانۂ عشق قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

اذاں اَزل سے ترے عشق کا ترانہ بنی

نماز اُس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی

اِقبال، کلیات (اُردو)، بانگِ درا: 81

(6) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی کیفیتِ غم

کتب احادیث و سیر میں ان کے حوالے سے ایک روایت ہے:

ما ذکر ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلا بکی، ولا مرّ علی ربعھم إلا غمض عینیہ.

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے رو پڑتے، اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹھکانوں پر گزرتے آنکھیں بند کر لیتے تھے۔“

1. بیہقی، المدخل إلی السنن الکبری، 1 : 148، رقم: 113

2. عسقلانی، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، 4 : 187

3. ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، 1 : 38

(7) فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی

حضرت عبداللہ بن زیدص کے بارے میں منقول ہے کہ جب انہیں ان کے بیٹے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کی خبر دی تو اُس وقت وہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر غمزدہ ہو گئے اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر اُنہوں نے اُسی وقت یہ دعا مانگی:

اللھم! إذہب بصری حتی لا أدری بعد حبیبی محمدا أحداً.

”اے اللہ ! میری بینائی اُچک لے کیونکہ میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔“

1. قسطلانی، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، 3 : 279

2. زرقانی، شرح المواهب اللدنية، 9 : 84، 85

پس اُس صحابی کی دعا قبول ہوئی اور ان کی بینائی لے لی گئی۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

إن رجلًا من إصحاب محمد ذهب بصره فعادوه.

”حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ میں سے ایک صحابی کی بینائی (فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں) جاتی رہی تو لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے۔“

جب ان کی بینائی ختم ہونے پر افسوس کا اظہار کیا گیا تو وہ کہنے لگے :

کنتُ اِریدہما أنظرإلی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فأمّاإذا قُبض النبی، فواللہ مایسّرنی اِن بہما بظبی من ظباء تبالۃ.

’’میں ان آنکھوں کو فقط اس لئے پسند کرتا تھا کہ ان کے ذریعے مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ اب چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے اس لئے اگر مجھے چشمِ غزال (ہرن کی آنکھیں) بھی مل جائیں تو کوئی خوشی نہ ہو گی۔‘‘

بخاری، الأدب المفرد، 1 : 188، رقم: 533

(8) وصالِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اِظہارِ غم کے دیگر واقعات

1۔امام آلوسی نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تڑپاتی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار فرحت آثار کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک حجروں میں تلاش کرتے۔

فجاء إلی میمونۃ رضی اللہ عنہا، فأخرجت لہ مرآتہ، فنظر فیہا، فرأی صورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولم یر صورۃ نفسہ.

’’پھر وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنھا کے ہاں آ جاتے۔ پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی آئینہ اُس صحابی رضی اللہ عنہ کو دے دیتیں (جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا)۔ جب وہ صحابی رضی اللہ عنہ اُس آئینہ مبارک میں دیکھتا تو اسے اپنی صورت کی بجائے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت نظر آتی۔‘‘

آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، 22 : 39

2۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے بارے منقول ہے:

إنہ کان إذا سمع الحدیث إخذہ العویل والزویل.

’’جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنتے تو ان کی حالت غیر ہو جاتی اور چیخ چیخ کر روتے۔‘‘

(3) قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 598

3۔ایک روایت میں ہے:

إن امرإۃ قالت لعائشۃ: اکشفی لی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فکشفتہ لہا، فبکت حتی ماتت.

’’ایک عورت نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کا دروازہ کھول دیں، (میں مزارِ اَقدس کی زیارت کرنا چاہتی ہوں)۔پس سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے کھول دیا، وہ عورت

(ہجرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدمے سے) بہت روئی حتیٰ کہ واصل بہ حق ہو گئی۔“

1. قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 570
2. ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، 2 : 204، رقم: 203
3. ملا علی قاری، شرح الشفا، 2 : 44

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اِسی سوز و گداز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوتِ قلب و جگر گردد نبی

اَز خدا محبوب تر گردد نبی

اِقبال، کلیات (اَسرار و رموز): 113

) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی دل و جگر کی تقویت کا باعث بنتی ہے اور شدت اختیار کرکے خدا سے بھی زیادہ محبوب بن جاتی ہے۔ (

سوزِ صدیق و علی از حق طلب

ذرۂ عشق نبی از حق طلب

اِقبال، کلیات (پیامِ مشرق) : 203

) تو حق تعالیٰ سے عشق کی وہ تڑپ مانگ جو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ میں تھی۔ تو حق تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کا ذرّہ طلب کر۔ (

4۔ قاضی عیاض (476۔544ھ) لکھتے ہیں :

لقد کان عبد الرحمٰن بن القاسم یذکر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فینظر إلی لونہ کأنہ نزف منہ الدم، وقد جف لسانہ فی فمہ ہیبۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

’’حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے) عبد الرحمٰن بن قاسم جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذِکر مبارک سنتے تو اُن کے جسم کا رنگ اِس طرح زرد پڑ جاتا جیسے اُس سے خون نچوڑ لیا گیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذِکر کی ہیبت کی وجہ سے اُن کی زبان ان کے منہ میں خشک ہو جاتی۔‘‘

قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2 : 36

(9) وصالِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سواری کا غم

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک پر اِنسان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تو ایک طرف رہے، جانور بھی ہجر وفراق کا صدمہ برداشت نہ کرسکے۔ اس کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

وناقۂ آنحضرت علف نمیخورد وآب نمی نوشید تاآنکہ مُرد۔از جملہ آیاتی کہ ظاہر شد بعد از موتِ آنحضرت آن حماری کہ آنحضرت گاہی براں سوار میشد چنداں حزن کرد کہ خود را در چاہی انداخت۔

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی نے مرتے دم تک کچھ کھایا نہ پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جو عجیب کیفیات رونما ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس دراز گوش پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری فرماتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں اتنا مغموم ہوا کہ اس نے ایک کنویں میں چھلانگ لگا دی اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔“

1. عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، 2 : 444

2. حلبی، إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون، 3 : 433

3۔ ماہِ ربیع الاوّل میں خوشی و غم باہم گلے مل جاتے

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے دور میں جب بھی ولادت کا دن آتا تو جہاں اُنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی ہوتی، وہاں غم واندوہ کی کیفیات بھی زخمِ جدائی کو ہرا اور ماحول کو افسردہ کر دیتیں جس کے باعث ان کے لیے دھوم دھام سے جشنِ ولادت کا اہتمام کرنا ممکن نہ تھا۔ یہی کیفیات تابعین اور تبع تابعین کے اَدوار میں بھی رہیں، تابعین نے اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب و روز کا اَز خود مشاہدہ نہ کیا تھا مگر اس کا تذکرہ براہِ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے سنا اور پھر ان سے تبع تابعین نے سنا۔

4۔ ولادت کی خوشی غمِ وصال پر بعد اَزاں غالب آتی گئی

جب تبع تابعین کا دور گزر گیا تو بعد میں آنے والوں نے چوں کہ ولادت اور صحبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَحوال کو دیکھا تھا نہ وصال کے غم و ہجر کا مشاہدہ کیا تھا۔ اِمتدادِ زمانہ سے رفتہ رفتہ خوشی کا پہلو غم پر غالب آتا چلا گیا اور وقت کے ہاتھ نے جدائی کے زخم پر مرہم رکھ دیا۔ اَفرادِ اُمت اس نعمتِ عظمی کی خوشی کے مقابلے میں غم بھول گئے اور انہیں یقین آگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور وفات دونوں اُمت کے لیے سراپا خیر ہے۔ دوسرے حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور ان کے لیے موجبِ راحت و طمانیت تھا۔

5۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور رِحلت دونوں رحمت ہیں

اُمت کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور رِحلتِ اَطہر دونوں باعثِ رحمت ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حیاتی خیر لکم تحدثون ونحدث لکم، ووفاتی خیر لکم، تعرض علی اعمالکم، فمارایت من خیر حمدت اللہ علیہ، ومارایت من شر استغفرت اللہ لکم.

”میری حیات تمہارے لیے باعثِ خیر ہے کہ تم دین میں نئی نئی چیزوں کو پاتے ہو اور ہم تمہارے لئے نئی نئی چیزوں کو پیدا کرتے ہیں۔ اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے، مجھے تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ پس جب میں تمہاری طرف سے کسی اچھے عمل کو دیکھتا ہوں تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور جب کوئی بری چیز دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں۔“

یہ حدیث مبارکہ واضح کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک بھی اسی طرح امت کے حق میں رحمت ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ سارے عالم کے لیے دائمی رحمت ہے۔

.1.بزار، البحر الزخار (المسند)، 5 : 308، 309، رقم: 1925

2۔ابن ابی اسامۃ نے اِسے صحیح سند کے ساتھ ''مسند الحارث (2 : 884، رقم: 953)'' میں روایت کیا ہے۔

3۔ حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 4 : 176

4۔دیلمی نے ''الفردوس بماثور الخطاب (1 : 183، رقم: 686)'' میں اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

5۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 1 : 19

6۔ہیثمی نے ''مجمع الزوائد و منبع الفوائد (9 : 24)'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث بزار نے روایت کی ہے اور اِس کے تمام رجال صحیح ہیں۔

.7ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، 4 : 257

8۔زین الدین ابو الفضل عراقی نے ”طرح التثریب فی شرح التقریب (3 : 297)“ میں اس روایت کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

قدرے اِختلافِ اَلفاظ کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت درج ذیل محدثین نے بھی نقل کی ہے:

.9دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، 2 : 137، 138، رقم: 2701

.10 عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الاِلباس، 1 : 442، رقم: 1178

بکر بن عبد اللہ مزنی سے مرسلًا اس روایت کو درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

.11ابن سعد، الطبقات الکبری، 2 : 194

12. ابن إسحاق، فضل الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 1 : 38، 39، رقم : 26، 25

13. سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام : 34

14۔ احمد بن عبد الہادی نے ''الصارم المنکی فی الرد علی السبکی (ص : 266، 267)'' میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور بکر ثقہ تابعین میں سے ہے۔

15۔ محدث ابن الجوزی نے بکر بن عبد اللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ''الوفا باحوال المصطفیٰ (ص : 826، رقم : 1564، 1565)'' میں بیان کی ہے۔

16۔ امام جلال الدین سیوطی نے ''کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب (2 : 491)'' اور ''مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفا (ص : 3)'' میں لکھا ہے کہ ابن ابی اسامۃ نے اپنی ''مسند'' میں بکر بن عبد اللہ المزنی اور بزار نے اپنی ''مسند'' میں عبد اللہ بن مسعود سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے۔

17۔ اس بات کی تائید علامہ خفاجی اور ملا علی قاری نے ''الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی شروحات ''نسیم الریاض (1 : 102)'' اور ''شرح الشفا (1 : 45)'' میں بالترتیب کی ہے۔

.18 عجلونی، کشف الخفاء ومزیل الإلباس، 1 : 442، رقم: 1178

6۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اُمت کے لیے باعثِ شفاعت ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال کی حکمت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

إن اللہ عزوجل إذا إراد رحمۃ إمۃ من عبادہ، قبض نبیہا قبلہا، فجعلہ لہا فرطاً وسلفاً بین یدیہا، وإذا إراد ہلکۃ إمۃ، عذبہا، ونبیہا حی، فاہلکہا وہو ینظر، فأقر عینہ بہلکتہا حین کذّبوہ وعصَوا إمرہ.

’’جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر اپنا خاص کرم کرنے کا اِرادہ فرماتا ہے تو اس امت کے نبی کا وصال کرکے اس امت کی شفاعت کا سامان کر دیتا ہے۔ اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے اپنے نبی کو جھٹلانے اور اس کے حکم کی نافرمانی کے باعث اس کی ظاہری حیات میں ہی اُنہیں عذاب میں مبتلا کرکے ہلاک کر دیتا ہے۔ اور اس امت کی ہلاکت کے ذریعے اپنے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرماتا ہے۔‘‘

1. مسلم، الصحيح، کتاب الفضائل، باب إذا إراد اللہ رحمۃ إبۃ قبض نبیہا قبلہا، 4 : 1791، 1792، رقم: 2288

2. ابن حبان، الصحیح، 15 : 22، رقم: 6647

3. بزار، البحر الزخار (المسند)، 8 : 154، رقم: 3177

4. طبرانی، المعجم الأوسط، 4 : 315، رقم: 4306

5. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 13 : 11، 12

مذکورہ حدیث میں لفظ فرط کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری (م 1014ھ) لکھتے ہیں:

إصل الفرط ہو الذی یتقدم الوارد ین لیہیئ لہم ما یحتاجون إلیہ عند نزولہم فی منازلہم، ثم استعمل للشفیع فیمن خلفہ.

’’فرط کسی مقام پر پہنچنے والوں کی ضروریات کو اُن کی آمد سے پہلے مہیا کرنے والے شخص کو کہا جاتا تھا، پھر یہ لفظ اپنے بعد آنے والے کی سفارش کرنے والے کے لیے اِستعمال ہونے لگا۔‘‘

ملاعلی قاری، شرح الشفاء، 1 : 45

اِس اُمت پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایت ہے کہ آخرت میں پیش ہونے سے پہلے ہی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمت کے لیے بہ طور شفیع اپنے پاس بلا لیا ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا وصال بھی تمہارے لیے رحمت ہے۔ لہٰذا یہ بات طے پا گئی کہ امت کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات و وفات دونوں رحمت و نعمت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اُمت کے حق میں پہلی نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس کے ذریعے ہی دوسری نعمت حاصل ہوئی۔

7۔ نعمت پر شکر بجالانا حکمِ خداوندی ہے

اللہ کی نعمت کے حصول پر خوشی کا اِظہار اور شکر بجالانا اللہ رب العزت کا حکم ہے جس کی تفصیل گزشتہ اَبواب میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی سابقہ غم پر شکر بجا

لاتے ہوئے غم واندوہ اور افسوس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ایسا کرنا تو نعمت کی ناقدری کے مترادف ہوگا۔ اس لیے ارشاد فرمایا گیا:

وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ o

''اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے'' o

ابراہیم، 14 : 7

غم اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی نعمت ختم ہو جائے اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بھی ختم ہو جائیں اور اس کے اثرات و نتائج کا سلسلہ بھی بند ہو جائے مثلًا کسی کے ہاں بیٹا ہوا اور وہ فوت ہو گیا۔ اب اس کے مرنے پر تو اسے غم ہو سکتا ہے کہ بیٹے کی نعمت اس سے چھن گئی لیکن پھر بھی شکر گزار مومنین کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ مال و دولت اور اولاد کی محرومی پر خدا سے شکوہ کریں، کیوں کہ یہ آزمائشیں تو آتی رہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ایک نعمت چھن جانے پر اس کا نعم البدل عطا فرما دیتا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے وصالِ مبارک کے موقع پر سوگ منانا اور غم کرنا اُمتِ مسلمہ کا وطیرہ اور شیوہ نہیں اس لیے کہ سوگ نعمت کے خاتمے پر کیا جاتا ہے۔

8۔ دستِ کرم ہے سر پہ تو غم کس لیے کریں

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت امت کے سر پر سایہ فگن ہیں، غم تب منایا جائے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ رحمت اُمت کے سر سے اٹھ گیا ہو یا رابطہ اور تعلق منقطع ہو چکا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آج بھی اُمت کے اَحوال سے با خبر ہیں اور قدم قدم پر دست گیری فرماتے ہیں۔ چودہ سو سال گزرنے کے باوُجود نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایات میں کمی آئی، نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقتوں اور مہربانیوں میں کوئی فرق آیا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ملنے والی ہدایات اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرف و کمال میں کمی واقع ہوئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال، مرتبہ نبوت و رسالت، ختم نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فیوضات و توجہات سب کچھ اسی طرح موجود ہیں تو غم کس بات کا؟ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بہ تقاضائے حکم اِلٰہی۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) (1)۔ اَجل کا ذائقہ چکھا لیکن وہ موت تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ اَبدی کا پیش خیمہ تھی۔ جب ایک عام مومن اور کافر کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

کے مصداق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور عام انسانوں کی موت میں کیا نسبت ہوسکتی ہے؟

1. القرآن، الأنبیاء، 21 : 35

2. القرآن، العنکبوت، 29 : 57

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری دنیا سے پردہ فرما کر عام انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ خواص و صالحین تو آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم بے داری میں دیکھتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی (849۔911ھ) جیسے اہل اللہ بھی تھے جنہوں نے زندگی میں کم و بیش پچھتّر (75) بار عالمِ بے داری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔

شعرانی، المیزان الکبریٰ، 1 : 44

قارئین کرام! آپ جب روضہ اقدس پر حاضری کے لیے جاتے ہیں تو کیا اسی طرح جاتے ہیں جس طرح ایک عام آدمی کی قبر پر جایا جاتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا روضۂ اَقدس تو زیرِ فلک ایسی ادب گاہ ہے جہاں جنید و بایزید جیسی ہستیاں بھی دم بخود حاضری دیتی تھیں بلکہ وہاں وہی آداب ملحوظ رکھنا فرض ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں تھے۔ یہ ہماری کوتاہ اندیشی ہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حقیقتِ حال کا علم نہیں، سچ تو یہ ہے کہ ہم چلتی پھرتی لاشیں ہیں جب کہ مردانِ حق وفات پا کر بھی زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف زندہ ہیں بلکہ ہمارا اسلام سن کر اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں (1) مگر ہم یہ جواب سننے سے قاصر ہیں کیوں کہ ہر کان سزاوارِ سماعت ہے نہ ہر آنکھ قابلِ دیدار۔ لہٰذا اُمتِ مسلمہ پر خوشی و مسرت کا اِظہار لازم ہے، اِظہارِ غم واَفسوس کا کوئی محل نہیں۔

1. ابوداؤد، السنن، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، 2 : 175، رقم: 2041
2. احمد بن حنبل، المسند، 2 : 527
3. طبرانی، المعجم الأوسط، 4 : 84، رقم: 3116
4. بیہقی، السنن الکبریٰ، 5 : 245
5. بیہقی، شعب الإیمان، 2 : 217، رقم: 1581
6. ابو نعیم، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، 6 : 349
7. منذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، 2 : 362، رقم: 2573

8. ہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، 10 : 162

9. مقریزی، إمتاع الأسماع بما للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الأحوال والأموال والحفدۃ والمتاع، 11 : 59

10. ابن قیم، جلاء الأفہام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الأنام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : 19، رقم : 20

11. سخاوی، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : 156

9۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت تا قیامت جاری ہے

اللہ تعالیٰ نے جو کلمہ مسلمانوں کو عطا فرمایا اس کے الفاظ۔ لَآ إِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)۔ ہی اس حقیقت پر پختہ شہادت ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت قیامت تک اُسی طرح جاری و ساری رہے گی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں تھی۔

اب کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول تھے،“ وہ یہی کہے گا کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“ اگر کوئی ایسا نہ کہے تو وہ

بالاتفاق کافر کی موت مرے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو ابد الآباد تک کے لیے مانا جائے۔ یہ بنیادی تقاضائے ایمان ہے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماضی میں رسول سمجھے جانے کے تصور کو سرے سے ختم کر دیا اور ماضی کا صیغہ استعمال کرنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ ختمِ نبوت کی حقیقت سے یہ واضح کر دیا کہ نبی آئے اور چلے گئے، چوں کہ ان کی رسالت عارضی تھی اس لیے نئے نبی بھی آتے رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین و خاتم الرسل ہیں لہٰذا اب قیامت تک کوئی نیا نبی و رسول نہیں آئے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت ہر زمانے میں جاری ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اس لیے یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بھی اسی طرح اللہ کے رسول ہیں جس طرح صحابہ کے لیے تھے اور جس طرح ہمارے لیے ہیں اسی طرح تا قیامِ قیامت بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے بھی ہوں گے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تریسٹھ (63) برس تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر کوئی سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا مگر وصالِ مبارک کے بعد خال خال کسی خوش نصیب ہی کو آپ کی زیارت بہ حالتِ خواب نصیب ہوتی ہے۔ جس کا بخت یاوری کرے وہ نہ صرف خواب میں بلکہ بے داری میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لیتا ہے۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مخلص غلاموں پر آج بھی شفیق ہیں، ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں، انہیں دل اور سر کی آنکھوں سے شرفِ

دیدار بھی بخشتے ہیں اور جب وہ دنیا سے رخصت ہونے لگیں تو اُن کی روحوں کے استقبال کے لیے بھی تشریف لاتے ہیں۔

10۔اِظہارِ خوشی بدعت نہیں تقاضائے فطرت ہے

حصولِ نعمت پر خوشی منانا ایک فطری تقاضا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اس کی مثال اس شادی والے گھر کی سی ہے جہاں مرگ کے فوراً بعد شادی ہو تو غم تازہ ہونے کی وجہ سے شادی کا اِنعقاد سوگ وار ماحول میں کیا جاتا ہے۔ اور اگر اسی گھر میں اس سانحے کے چند سال بعد شادی ہو تو اس پر حسبِ روایت خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ غم ختم ہو گیا یا یہ کہ خوشی منانے والے کے دل میں اپنے پیاروں کی یاد نہیں رہی۔ بلکہ یہ حیاتِ انسانی کے مشاہدات میں سے ہے کہ ایک عرصہ تک ماحول افسردہ اور اِحساسِ غم زندہ رہتا ہے مگر رفتہ رفتہ جب عرصہ بیت جاتا ہے تو وقت اس صدمے کے زخم کو مندمل کر دیتا ہے اور دلِ زار کو قرار آجاتا ہے۔

جلیل القدر ائمہ اسلام نے تصریح کی ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت و بعثت پر دھوم دھام سے خوشی کا اظہار عین شرعی اور فطری تقاضوں کی بجا آوری ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر غم کا اِظہار خلافِ شریعت اور

اِسلام کے اَبدی اصول کے منافی ہے۔ امام سیوطی (849۔911ھ) اس حوالے سے اُصولِ شریعت بیان کرتے ہیں:

إن ولادته صلى الله عليه وآله وسلم إعظم النعم علينا، ووفاته إعظم المصائب لنا، والشريعة حثّت على إظهار شكر النعم والصبر والسكون والكتم عند المصائب، وقد إمر الشرع بالعقيقة عند الولادة وهي إظهار شكر وفرح بالمولود، ولم يأمر عند الموت بذبح ولا بغيره. بل نهى عن النياحة وإظهار الجزع، فدلّت قواعد الشريعة على إنه يحسن في هذا الشهر إظهار الفرح بولادته صلى الله عليه وآله وسلم دون إظهار الحزن فيه بوفاته.

''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہمارے لیے نعمتِ عظمی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔ تاہم شریعت نے نعمت پر اِظہارِ شکر کا حکم دیا ہے اور مصیبت پر صبر وسکون کرنے اور اُسے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ اِسی لیے شریعت نے ولادت کے موقع پر عقیقہ کا حکم دیا ہے اور یہ بچے کے پیدا ہونے پر اللہ کے شکر اور ولادت پر خوشی کے اِظہار کی ایک صورت ہے، لیکن موت کے وقت جانور ذبح کرنے جیسی کسی چیز کا حکم نہیں دیا بلکہ نوحہ اور جزع وغیرہ سے بھی منع کر دیا ہے۔ لہٰذا شریعت کے قواعد کا تقاضا ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کیا جائے نہ کہ وصال کی وجہ سے غم کا۔''

.1 سیوطی، الحاوی للفتاوی: 203

.2 سیوطی، حسن المقصد فی عمل المولد: 54، 55

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مسلمانوں سے اس اَمر کا متقاضی نہیں کہ وہ کبھی نہ بھولیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضانِ نبوت تا قیامت جاری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برزخی زندگی میں دنیاوی زندگی سے بڑھ کر حیات کے مالک ہیں۔ ملا علی قاری (م 1014ھ) نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

ليس هناك موت ولا فوت بل انتقال من حال إلى حال وارتحال من دار إلى دار.

"یہاں نہ موت ہے اور نہ وفات بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقلی ہے اور ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف سفر کرنا ہے۔"

ملاعلی قاری، شرح الشفاء، 1 : 45

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ہم نے اس بات کا تفصیلی ذکر کر دیا ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے اس موقع پر اِظہارِ مسرت سے کیوں گریز کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں زندگی کا ایک حصہ گزارا تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب بھی 12 ربیع الاول کا دن آتا تو خوشی کے ساتھ ساتھ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزارے ہوئے تمام مناظر یاد آ جاتے اور ان پر حزن وملال کی کیفیت غالب آ جاتی۔ صدیوں کے بعد وہ کیفیت باقی نہ رہی تو امت کے اندر خوشی کا پہلو فطری طور پر غالب آتا چلا گیا اور انہوں نے فطری تقاضوں کے مطابق جشن منانے کا آغاز کیا اور آج تک مناتے چلے آرہے ہیں۔ اِس بابت مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی لکھتے ہیں :

’’میلاد خوانی بشر طیکہ صحیح روایات کے ساتھ ہو اور بارہویں شریف میں جلوس نکالنا بشر طیکہ اس میں کسی فعل ممنوع کا ارتکاب نہ ہو، یہ دونوں جائز ہیں۔ ان کو ناجائز کہنے کے لیے دلیل شرعی ہونی چاہیے۔ مانعین کے پاس اس کی ممانعت کی کیا دلیل ہے؟ یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے نہ کبھی اس طور سے میلاد خوانی کی نہ جلوس نکالا ممانعت کی دلیل نہیں بن سکتی کہ کسی جائز اَمر کو کسی کا نہ کرنا اس کو ناجائز نہیں کر سکتا۔‘‘

مظہر اللہ دہلوی، فتاوی مظہری: 435،436

اُردو زبان میں سیرتِ طیبہ پر لکھی جانے والی پہلی کتاب کے مصنف مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (1228۔1279ھ) کا قول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پر منعقد ہونے والی محفل اِظہارِ مسرت کے لیے ہوتی ہے، اس میں غم کا اِظہار کرنا مناسب نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کو چاہیے کہ بہ مقتضائے محبتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفل شریف کیا کریں اور اس میں شریک ہوا کریں۔ مگر شرط یہ ہے کہ بہ نیت خالص کیا کریں، ریا اور نمائش کو دخل نہ دیں۔ اور بھی اَحوالِ صحیح اور معجزات کا حسبِ رِوایاتِ معتبرہ بیان ہو کہ اکثر لوگ جو محفل میں فقط شعر خوانی پر اِکتفاء کرتے ہیں یا روایاتِ واہیہ نامعتبر سناتے ہیں خوب نہیں۔ اور بھی علماء نے لکھا ہے کہ اِس محفل میں ذکرِ وفات شریف کا نہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ محفل واسطے خوشی میلاد شریف کے منعقد ہوتی ہے۔ ذکرِ غم جانکاہ اِس محفل میں نازیبا ہے۔ حرمین شریفین میں ہرگز عادتِ ذکرِ قصۂ وفات کی نہیں ہے۔''

کاکوروی، تواریخِ حبیبِ اِلٰہ یعنی سیرتِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : 15

لہٰذا یومِ میلاد پر جشن منانا بدعت نہیں بلکہ عین تقاضائے فطرت ہے۔ اس سے بڑھ کر اگر یہ کہا جائے تو چنداں غلط نہ ہو گا کہ محافلِ میلاد کا انعقاد اسلامی ثقافت کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔

11۔ قرونِ اُولیٰ میں جشنِ مسرت منانے کا کلچر عام نہ تھا

میلاد شریف کو بطور جشن منانا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی تعلق کا ایک ثقافتی اِظہار ہے۔ تاریخ اسلام کی روشنی میں جائزہ لیں تو قرونِ اُولیٰ سے لے کر آج تک ہر دور میں حیات انسانی کے مختلف شعبوں میں کئی اعتبار سے طرزِ بود و باش، معاشرتی میل جول، خوشی و غمی، جذبات واحساسات کے اظہار کے طور طریقے ہر دور میں بدلتے رہے ہیں۔ اس حوالے سے وقت کے ساتھ ساتھ رُونما ہونے والی تبدیلیوں کی چند مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں :

(1) ہجرتِ مدینہ

کتب تواریخ و سیر میں مذکور ہے کہ جب اہلِ مدینہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عازمِ ہجرت ہونے کی اطلاع ملی تو وہ سب سخت گرمی کے موسم میں روزانہ نمازِ فجر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر باہر مقام 'حرہ' پر جمع ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرتے، تیز دھوپ میں جب سایہ بھی ختم ہو جاتا تو بجھے دلوں کے ساتھ گھروں کو لوٹتے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عویم بن ساعدہ اَنصار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

لما سمعنا بمخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من مکۃ، وتوکفنا قدومہ، کنا نخرج إذا صلینا الصبح، إلی ظاہر حَرّتنا، ننتظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فواللہ! ما نبرح حتی تغلبنا الشّمس علی الظلال، فإذا لم نجد ظلاًّ دخلنا، وذلک فی إیام حارۃ.

''جب ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ سے باہر نکلنے اور مدینہ کی طرف تشریف لانے کی خبر سنی تو ہم صبح نماز پڑھ کر باہر نکل آتے اور دن چڑھے تک کھلے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرتے۔ اللہ کی قسم! ہم اس وقت تک انتظار کرتے رہتے جب تک کہ سورج ہمارے سایوں پر غالب نہ آ جاتا۔ جب ہم سورج کی تپش سے بچنے کے لیے سایہ نہ پاتے تو اپنے گھروں میں آ جاتے، اور یہ سخت گرمیوں کے دنوں کی بات ہے۔''

.1ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: 423

.2طبری، تاریخ الامم والملوک، 1 : 571

.3ذہبی، تاریخ الاِسلام ووفیات المشاہیر والأعلام (السیرۃ النبویۃ)، 1 : 331

.4ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، 3 : 196

.5خزاعی، تخریج الدلالات السمعیۃ علی ماکان فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الحرف: 446

جب آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ساکنانِ مدینہ خوشی سے جھوم اٹھے، انہوں نے اس قدر دھوم دھام سے خوشی و مسرت کا اظہار کیا کہ سارا شہر استقبالِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مدینہ کی حدود سے باہر امڈ آیا۔ معصوم بچیوں نے دف پر خوشی کے گیت گا کر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا۔ خیر مقدمی نعرے لگائے گئے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ جلوس کی شکل میں گلی کوچوں سے ہوتے ہوئے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا۔

ہجرت، تاریخِ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ یہی ہجرت اسلامی ریاست کے قیام کی بنیاد بنی اور اسلام ایک غالب قوت بن کر ابھرا۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کون سا موقع ہو سکتا تھا مگر آنے والے سالوں میں اہلِ مدینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس یوم ہجرت پر خوشی کا اہتمام نہ کیا اس لیے کہ اُس دور کے کلچر اور مزاج میں یہ چیز شامل نہ تھی۔ لیکن آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاندار اور والہانہ استقبال اور اظہارِ مسرت عین فطرتِ انسانی کے مطابق تھا، جس سے کم از کم اس بات کا جواز ضرور ملتا ہے کہ اسلام میں کسی عظیم خوشی کے موقع پر جشن کا اہتمام کرنا اور دھوم دھام سے اظہارِ مسرت کرنا اَمرِ جائز اور فطری تقاضا ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق انسان کی فطرت اور دلی جذبات سے ہے، اس میں کوئی بات شریعت کے منافی نہیں۔ لہٰذا بدعت کہہ کر اس کا انکار ایک مخصوص قلبی کیفیت کا غماز ہے جو محض ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(2) میثاقِ مدینہ

مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار و مہاجرین کی مشاورت سے یہود کے ساتھ باقاعدہ تحریری معاہدہ کیا، تاریخِ اسلام میں یہ عظیم معاہدہ 'میثاقِ مدینہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دن پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریاست مدینہ کے آئینی حکمران

بنے۔ مسلمانوں کے لیے یہ موقع عظیم خوشی کا تھا، مگر مسلمانوں نے یوم میثاقِ مدینہ منانے کا کوئی اہتمام اس لیے نہ کیا کہ ایسا کرنا اُس زمانے کے کلچر میں شامل نہ تھا۔

(3) یومِ بدر

ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی خوشی کا دن یومِ بدر تھا جب حق و باطل کے درمیان معرکہ میں باطل کو شکست ہوئی اور مٹھی بھر مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتح و کامرانی سے ہم کنار کیا۔ اِس سے مسلمانوں کو حوصلہ اور ولولۂ تازہ ملا۔ قرآن حکیم نے اس دن کو ''یوم الفرقان'' قرار دیا ہے. یہ دن بھی دورِ صحابہ میں سال بہ سال بار بار آتا رہا مگر اس دن کو منانے کا ان کے ہاں کوئی رواج نہیں تھا۔

الأنفال، 8 : 41

(4) یومِ فتحِ مکہ

اِسی طرح ہجرتِ مدینہ کے بعد فتحِ مکہ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم واقعہ تھا جس سے اسلام جزیرہ نمائے عرب میں ایک غالب قوت بن کر اُبھرا۔ یہ وہ دن تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک فاتح کی حیثیت سے دس ہزار سربکف جاں نثار صحابہ کے ساتھ بڑی

شان و شوکت سے دوبارہ شہر مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ وہی شہرِ مکہ تھا جہاں سے کفار کے ظلم و ستم اور معاندانہ سلوک کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔اس دن کو قرآن مجید نے ''فتح مبین'' قرار دیا ہے۔اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی تھی۔ مگر قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے فتح مکہ کا دن نہیں منایا کیوں کہ اُس دور کی ثقافت میں یہ چیز شامل نہ تھی۔

الفتح، 48 : 1

(5) شبِ قدر۔ شبِ نزولِ قرآن

ستائیس (27) رمضان المبارک کی شب وہ مبارک رات ہے جس میں نزولِ قرآن ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا۔ اللہ رب العزت نے اس عظیم الشان رات احسانِ عظیم فرمایا اور قیامت تک رہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ قرآن مجید عطا فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے شبِ قدر منانے کا کبھی اِہتمام نہیں کیا کیوں کہ اُس دور کی ثقافت میں یہ عنصر نہ تھا۔

نئے دور کے نئے تقاضے

ہم اگر موجودہ دور کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر پر عمیق نظر ڈالیں تو نہ صرف یہ کہ ہم مذکورہ بالا مہتم بالشان ایام مناتے ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور دن بھی دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق اور بہت سے قومی تہواروں کو ایام مسرت کے طور پر مناتے ہیں۔

اِس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں میں اہم ملّی اور مذہبی اہمیت کے دن بطور تہوار منانے کا کوئی رواج نہیں تھا، اور اس وقت کی ثقافت میں ایسی کوئی روایت کارفرمانہ تھی جس کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یومِ نزولِ قرآن، یومِ بدر اور یومِ فتحِ مکہ مناتے۔ قطع نظر اس سے کہ ان ایام کی اَہمیت تاریخ اسلام میں کسی اعتبار سے کم نہیں۔ آج اہلِ پاکستان دیگر اسلامی ممالک کی طرح اپنا یومِ آزادی اور دیگر قومی اَیام بڑے تزک و احتشام سے مناتے ہیں کیوں کہ ایسا کرنا آج کی ثقافتی زندگی کا جزوِ لاینفک ہے۔ اِسی طرح سعودی عرب سمیت دیگر عرب ممالک میں اُن کے حکمران اپنی تخت نشینی کا دن بہ طور عید مناتے ہیں، اور یہ دن اُن کے ہاں ''العید الوطنی'' کہلاتا ہے۔ اِس طرح ہر ملک و قوم اپنے قومی تہواروں کے اِنعقاد کے ذریعے اپنے نظریات و قومی تشخص اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے ہیں۔ پس بدلتے ہوئے ان حالات کے تقاضوں کی روشنی میں آج محافلِ میلاد کا انعقاد بھی ہماری ثقافتی اور مذہبی ضرورت بن چکا ہے جس سے کوئی صاحبِ فکر و نظر اِنکار نہیں کر سکتا۔ محافلِ

میلاد کے اِنعقاد کے ذریعے ہم اپنے اور اپنی اگلی نسلوں کے قلوب واَذہان میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع بہ آسانی روشن کر سکتے ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹوٹا ہوا تعلق بحال کر سکتے ہیں۔